ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل وعلا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ الخ یعنی جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ الخ یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ فرماتا ہے وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصلی معنی بری چیزوں سے بچنے کے ہیں۔ اصل میں یہ ''وقوی'' ہے۔ وقایت سے ماخوذ ہے' نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے' ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِیْرَهَا وَ كَبِیْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى
وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ الشَّوْكِ یَحْذِرُ مَا یَرٰى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِیْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

یعنی چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔ دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔ ابو درداءؓ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کا پورا ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ سے تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے' وہ اللہ کا ڈر ہے۔ اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے' وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے' اسے بجالائے اور اگر قسم دے دے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کی تعریف: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں' ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں' ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؒ کہتے ہیں' یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے' دل سے' عمل سے' غیب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے اصولوں پر ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ میں کہتا ہوں' لغت

میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے، وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابوعبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فالحمدللہ۔

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر، خوف کے بھی کئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے۔ حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا جو بندے ذی علم ہیں، صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایماندار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسولؐ ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بالغیب حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالی کہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کا لفظ جو یہاں ہے، اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت پر، جنت دوزخ پر، ملاقات اللہ پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قتادہ ابن دعامہؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ، وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے، وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ عطا ابن ابورباحؒ فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابوخالدؒ فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں۔ زید بن اسلمؒ کہتے ہیں، مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہؓ کے فضائل بیان ہو رہے ہوتے ہیں تو آپؓ فرماتے ہیں، حضورؐ کے دیکھنے والوں کو تو آپؐ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن خدا کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے الٓمّٓ سے لے کر مُفْلِحُوْنَ تک آیتیں پڑھیں (ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔ مستدرک۔ حاکم) امام حاکمؒ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔

مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے ابو جمعہ صحابیؓ سے ابن محریزؒ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے حضورؐ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ پر اسلام لائے۔ آپؐ

کے ساتھ جہاد کیا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے' جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں پہچانے کو ساتھ چلے' جب الگ ہونے لگے تو فرمایا' تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے۔

سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے' ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے' ضرور سناؤ۔ کہا سنو' ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے' ہم دس آدمی تھے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپؐ نے فرمایا' تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسولؐ تم میں موجود ہے' وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے' اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے' یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہوں گے۔ اس حدیث میں ''وجادہ'' کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے۔ بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا' تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے' انہوں نے کہا' فرشتے۔ فرمایا' وہ ایمان کیوں نہ لائیں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ لوگوں نے پھر کہا' انبیاء' فرمایا' وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے' صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے' اس پر ایمان لائیں گے' اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازیؒ انہیں منکر الحدیث بتلاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابو یعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا' دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب حضور کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۳

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں ○

قیام صلوٰۃ کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۳) ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجالانا۔ رکوع' سجدہ' تلاوت' خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں' وقتوں کا خیال رکھنا' وضو اچھی طرح کرنا' رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتل کہتے ہیں' وقت کی نگہبانی کرنا۔ مکمل طہارت کرنا' رکوع سجدہ پورا کرنا' تلاوت اچھی طرح کرنا۔ التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ ابن عباسؓ

فرماتے ہیں مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ خرچ میں قربانی دینا جو قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورۂ برات میں ہیں ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ زکوٰۃ میں اہل وعیال کا خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دینا بھی شامل ہے اس لئے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے لہذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید اس کی ثنا اس کی بزرگی اس کی طرف جھکنے اس پر توکل کرنے اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں۔ پھر دور والے اجنبی۔ لہٰذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا ہے یہ ماخوذ ہے صلی سے جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا جیسے قرآن میں لَا يَصْلٰهَآ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ الخ یعنی نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

اعمال مومن: ☆☆ (آیت: ۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت جنت و دوزخ حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت

چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی' اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی' انہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایماندار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہد ابوالعالیہؒ ربیع بن انس اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ دونوں ہیں تو ایک مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا جیسے سَبِّحِ اسْمَ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ سے مراد اہل کتاب مومنوں کی صفتیں ہیں۔ سدیؒ نے حضرت ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے ان کی طرف اتاری گئی' ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی' وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور جب ان کو (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی' تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے' پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ امام جریرؒ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں کافر اور منافق۔ اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عربی مومن اور کتابی مومن۔ میں کہتا ہوں ظاہر آیہ ہے کہ حضرت مجاہدؒ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی اول چار آیتیں مومنوں کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں اس کے بعد کی کافروں کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیتیں منافقوں کے حق میں ہیں۔ پس یہ چاروں آیتیں ہر مومن کے حق میں عام ہیں۔ عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے' اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے۔ ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور اگلے انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں۔ ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں' اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں۔ اسی لئے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ الخ یعنی ایمان والو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر اتری ہے' اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں' ان پر ایمان لاؤ اور فرمایا وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ برتو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ارشاد ہے۔ اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے' اس پر ایمان لاؤ' اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا۔ اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک توراۃ انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے۔ قائم نہ رکھو۔ دوسری جگہ تمام ایمان

والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ یعنی ہمارے رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی' ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمان والوں کی ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضورؐ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اسی لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اس امت کے لوگ بھی اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بات کریں تو تم نہ اسے سچ کہو نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا' اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا' اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لاتے ہیں' ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے زیادہ پورا' زیادہ کمال والا' زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے' چاہے وہ اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے کے سبب دوہرا اجر پائیں لیکن یہ لوگ کمال ایمان کے سبب اجر میں ان سے بھی بڑھ جائیں۔ واللہ اعلم۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں جن کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے' وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ○

ہدایت یافتہ لوگ: ☆☆ (آیت: ۵) یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا' نماز قائم رکھنا' اللہ کے دیئے ہوئے سے دینا۔ حضورؐ پر جو اترا' اس پر ایمان لانا' آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں' ان کو ماننا' دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لئے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرامکاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر ''نور'' اور ''استقامت'' سے کی ہے اور ''فلاح'' کی تفسیر اپنی چاہت کو پا لینے اور برائیوں سے بچ جانا' کی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور' دلیل' ثابت قدمی' سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات' ثواب اور جنت کی ہمیشگی پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے اُولٰٓئِكَ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گذر چکا۔ اس اعتبار سے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہوگی۔ لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے' اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں' حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد عرب ایمان

دار ہیں۔ اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایمان دار ہیں۔ پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے یہی مروی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ حضور قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا' لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں' پھر آپؐ نے الٓمّٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک پڑھ کر فرمایا' یہ تو جنتی ہیں۔ صحابہ نے خوش ہو کر فرمایا ''الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہیں'' پھر اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے عَظِیْمٌ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں۔ (ابن ابی حاتم)

بدقسمت لوگ: ☆☆ (آیت:۶) یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے' نہ انہیں آپ کا ڈرانا سودمند ہے اور نہ ہی نہ ڈرانا۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپؐ پر نازل ہوئی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے' وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلے کو نہیں مانیں گے۔ یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہوگی۔ ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبیؐ! ان پر افسوس نہ کر' تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب ور ہیں۔ وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی۔ تیرا فرض ادا ہو گیا' ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرا دینے والا ہے۔ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے۔ جس کے حصے میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں' وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہیں جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں' انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے۔ تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں' وہ زیادہ واضح ہیں اور دوسری آیتوں کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے' دوبارہ نظر ڈال جائیے لَا یُؤْمِنُوْنَ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں دونوں حالتوں میں ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا یُؤْمِنُوْنَ ہے اور سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۷ ع ۱

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر' ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے ○

مہر کیوں لگا دی گئی؟ ☆☆ (آیت:۷) حضرت سدیؒ فرماتے ہیں' ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دی۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا۔ وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا' ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں' نہ سن سکتے ہیں' نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔

مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں رَانَ کا لفظ ہے طَبَعَ کا لفظ ہے اور اَقْفَالَ کا لفظ ہے۔ رَانَ طَبَعَ سے کم ہے اور طبع' اقفال سے کم ہے' اقفال سب سے زیادہ ہے۔ حضرت مجاہدؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی۔ پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں' مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے زین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ سے ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا' مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

زمخشریؒ نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بے معنی اور فضول ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر رب قدوس مہر لگا دے لیکن افسوس اس نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا کہ وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے' حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے' جو سراسر عدل و انصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

قرطبی فرماتے ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر لگانا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کے بدلے ہے۔ فرمایا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر مہر لگا دی حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ دعا میں ہے یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ایک تنکا' جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے' اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے' اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے' اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آ چکا ہے کہ مومن

جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ باز آ جائے۔ توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَانْ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر رَانْ ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی۔ نسائی۔ ابن جریر) امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر خداوندی لگ جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ''ختم اللہ'' میں ہے وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے نہ اس میں کچھ جا سکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت اثر کرے نہ کفر جائے سَمْعِهِمْ پر پورا وقف ہے اور عَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً ان آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔

بعض نے یہاں غِشَاوَةً زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل جَعَلَ مقصود ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ''وَحُورٌ عِينٌ'' میں۔ شروع سورت کی چار آیتوں میں مومنین کے اوصاف بیان ہوئے۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کافر ہیں چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جاتی ہیں اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے کیا گیا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۂ برأت اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ میں بھی کیا گیا تا کہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان کی مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۖ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾

بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ○

منافقت کی قسمیں: ☆☆ (آیت: ۸-۹) دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی ظاہر کرنے اور برائی پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں، منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف، اس کا باطن ظاہر کے خلاف، اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی بہ ظاہر کافروں

کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضورؐ نے ان یہودیوں اور عرب کے بعض قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ شریف کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا' شوکت و شان اسلام ظاہر ہوئی' مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ قائم ہوا چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے سے لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف پھر گیا اور اس کی سرداری یونہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی' اسلام کی روز افزوں ترقی میں لڑائی اور کامیابی نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا' اس نے بظاہر اسلام قبول کر لینے اور باطن میں کافر رہنے کی ٹھانی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی' سب کو یہی ہدایت کی۔ اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بحمداللہ کی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال' مال و متاع کو نام اللہ پر قربان کر کے اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر آئے تھے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیتوں میں بیان ہے۔'' ابوالعالیہ' حضرت حسن' قتادہؒ' سدیؒ نے یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بدخصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورۂ منافقون میں بھی کہا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شاندار اور تاکیدی الفاظ کے' اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا اور سورۂ منافقون میں فرمایا وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔ اور یہاں بھی فرمایا وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ یعنی دراصل وہ ایماندار نہیں' وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ کے ہاں چل جانے والی کاریگری خیال کرتے ہیں جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَہٗ الخ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں' یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کی وضاحت میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے